عصر حاضر میں بین المذاہب مکالمہ اور مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت واہمیت سیرت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں

از
ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔ پاکستان

اس صدی میں انفارمیشن ٹیکنالوجی اور عالمگیریت (گلوبلائزیشن) کے نتیجے میں دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ اقوام ایک دوسرے کے قریب آ گئی ہیں اور باہمی تعلقات کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ انٹرنیٹ اور میڈیا نے روابط بڑھانے اور ایک دوسرے کی تہذیب وتمدن، مذہبی عقائد اور معاشرتی رجحانات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کردی ہے۔ اس ماحول میں مکالمہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ بلکہ یہ اسلامی دنیا کی ایک ضرورت ہے جس کے ذریعے ہم مغرب کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار اور اسلام کے خلاف غلط فہمیوں کا سد باب کر سکتے ہیں۔ یہ مکالمہ افراد، مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان ہوسکتا ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی:

موجودہ صدی میں عالم اسلام جس نکبت سیاسی، عدم استحکام، ابتری اور معاشی زبوں حالی

کا شکار ہے وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ۔ یہ سلسلہ روز روز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک ارب سے زائد آبادی اور ۶۲ مسلم ریاستیں ہونے کے باوجود مسلمانوں کی دنیا میں کوئی مؤثر آواز نہیں ۔ ایک طرف مغرب کی بالادستی نے ان کو گوناگوں معاشی سیاسی اور تہذیبی مسائل سے دوچار کر دیا ہے۔تو دوسری طرف وہ خود فکری انتشار، عدم رواداری اور مذہبی کشمکش کے بھنور میں پھنس کر اپنی فعال اور مثبت قوتوں کو تاخت وتاراج کر رہے ہیں ۔ان عوامل نے ان کو تاریخ کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل کر دیا ہے جہاں ان کی بقاء اوران کے وجود کو بہت سے خطرات درپیش ہیں ۔قرآن حکیم گذشتہ اقوام کے واقعات ان کی تہذیبی اور مادی ترقی اور پھر ان کے مٹنے کے واقعات سے بھرا پڑا ہے ۔ ان واقعات اور قصص میں ہمارے لئے درس عبرت اور رہنما اصول موجود ہیں ۔ گذشتہ قوموں کے عروج وزوال سے سبق حاصل نہ کرنے کا نتیجہ ہمارے سامنے ہیں ۔خدائی قوانین جامع اوراٹل ہیں ۔ان سے انحراف قوموں کی تباہی اوران پر عمل پیرا ہونا کسی قوم کی ترقی وفلاح کی ضمانت ہے۔

مسلمانوں کی پستی اور سیاسی زبوں حالی نے ان کے اندر یاس اور انتشار کو جنم دیا ہے وہ گزشتہ تین صدیوں سے مغربی سامراج کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں ۔اسلامی دنیا کو یورپی سامراج نے پہلے تو محکوم بنایا اور پھر ان کی دولت کو لوٹا اوران کے وسائل کے بل بوتے پر اپنے ممالک میں مادی ترقی کی راہ ہموار ہوئی ۔ سیاسی محکومیت اور معاشی لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی تہذیب وتمدن معاشرتی اقدار اور دین ومذہب کو نقصان پہنچایا۔ مستشرقین کی ایک کھیپ نے اسلام کے مطالعے اور ریسرچ کے نام پر اسلام کے دینی ورثہ پر لایعنی تنقید کی تاکہ مسلمان دین سے برگشتہ ہوں ۔ان کی فعال قوتیں ختم ہوں ۔اور مذہبی عقیدے کی بناء پر ان کے دلوں میں جن سامراج دشمن رجحانات نے جنم لیا ہے وہ پژمردہ ہو کر مٹ جائیں ۔ یہ مذموم مہم کسی نہ کسی صورت میں جاری رکھی گئی۔ مسلم علماء نے اس سامراجی یلغار کا جواب دیا لیکن یہ معذرت خواہی اور پسپائی پر مبنی تھا۔

سامراجی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اسلامی ممالک میں مسلم معاشرہ تقسیم اور داخلی کشمکش میں مبتلا ہوا۔ برصغیر پاک وہند کی مثال لیں انگریز نے مذہبی آزادی کے نام پر تمام مذاہب کو باہمی

برسر پیکار ہونے اور ایک دوسرے کے خلاف سخت حملے کرنے کا ماحول پیدا کیا۔ اس پالیسی کے نتیجے میں تہذیبی تصادم، گروہی اختلافات، اور عدم رواداری کے جذبات کو تقویت دی۔ مختلف مذاہب کے اکابر نے اپنے مخالفین پر تابڑ توڑ حملے کیے اور ان کو نیچا دکھانے کے لئے مذہبی عقائد کا بے دریغ استعمال کیا۔ ایشیا اور افریقہ کے جن ممالک میں یورپی سامراج نے قدم جمائے وہاں یہی کھیل کھیلا گیا۔

یورپ کی ترقی:

دنیائے اسلام کو محکومی اور معاشی پستی میں مبتلا کر کے یورپین اقوام جدید سائنسی ایجادات اور صنعتی انقلاب کی بدولت مادی ترقی کی طرف رواں دواں ہوئیں۔ انہوں نے مذہب کو زندگی میں ثانوی حیثیت دی اور آزادی۔ انصاف جمہوریت اور سائنسی افکار اور فلسفہ کی بنیاد پر ایک آزاد اور ترقی پسند معاشرے کی نیو اٹھائی۔ ان ترقی پسندانہ اقدار کو سرمایہ دارانہ نظام نے مزید تقویم بہم پہنچائی۔ یورپ کے معاشرے کے مقابلے میں اسلامی معاشرے جمود اور انحطاط میں پھنسے رہے۔ اسلام مادی ترقی۔ جمہوریت، آزادی فکر، عدل وانصاف اور انسانی حقوق کی پاسداری کا علمبردار ہے۔ مسلم زعماء نے ان اقدار کو پیش کرنے اور پروان چڑھانے کی جگہ مغربی دنیا کی مادہ پرستی، مذہب سے عمومی بیزاری، فحاشی اور بے راہ روی کو تنقید کا نشانہ بنایا، اور مغرب کے خلاف نفرت کو ابھارا لیکن ان اقدار کو اپنے معاشرے میں قائم نہ کر سکے جو قومی ترقی اور احیاء کا ضامن ہیں۔

اسلام کو روشناس کرانے اور دینی مسائل پر تحقیق کے میدان میں مسلم علماء واکابرین کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے جو گراں قدر دینی لٹریچر چھوڑا ہے اس میں فلسفہ، تاریخ، سائنس، اخلاقیات اور زندگی کے دیگر شعبوں کے متعلق رہنما اصول موجود ہیں۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم نے اس دینی سرمایے کے مثبت پہلوؤں کی بجائے اختلافی مسائل پر زیادہ توجہ مرکوز کی، اور فرقہ وارانہ روش کو اختیار کیا۔ اس طرح امت مسلمہ کی اجتماعیت اور وحدت پارہ پارہ ہونے لگی۔ اور ملت اسلامی مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ حالانکہ ہمارے دین کی اساس ایک تھی، اور اس پر سب کا اتفاق تھا۔ زیادہ اختلاف ان امور پر تھا جن کو ماننے کی ضرورت نہ تھی۔ اور جن کی حیثیت اضافی

تھی۔اس اختلاف نے فرقہ بندی کو جنم دیا، مذہبی عدم رواداری، باہمی تکفیر اور انتہا پسندانہ رجحانات کی بنیاد پر مسلم معاشرہ شکست وریخت سے دوچار ہوگیا۔اس تقسیم اور انتشار کو فقہی اختلافات نے مزید مستحکم کیا۔ ہمارے چاروں ائمہ کرام رحمہم اللہ جمیعا نے نہایت خلوص اور دیانت سے قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کی رشنی میں دینی مسائل کا استخراج کیا۔لیکن ان کے پیروکاروں نے ان کے نظریاتی علمی، جزوی اور سطحی اختلافات کو مستقل مباحث اور مناظرانہ رنگ دے کر بحث وتمحیص اور مناظرہ بازی کی آماجگاہ بنادیا۔اگرچہ بعض مصلحین نے ان اختلافات کو ختم کرنے اور فکر وعمل کی نئی راہیں متعین کرنے کی کوشش کی۔لیکن ان کی مساعی کا دائرہ محدود رہا۔ ہمارے قومی مزاج میں فرقہ بندی اتنی رچ بس گئی کہ اس کی جڑیں کھوکھلی کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

اتحاد کی ضرورت:

دنیائے اسلام کو ہر دور میں اتحاد و یگانگت کی اشد ضرورت رہی ہے۔مسلمانوں کو اختلافی اور نظری مباحث سے اپنی توجہ ہٹا کر مثبت انداز فکر اختیار کرنا چاہیئے تاکہ معاشرے کے زندہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔اور باہمی محبت اور اتحاد پیدا کیا جاسکے۔ اسلامی فرقوں کے درمیان ایسے اختلافات نہیں جو ختم نہ ہوسکیں۔اور یہ خلیج اتنی وسیع نہیں کہ اسے پر نہ کیا جاسکے۔اس کے لئے ایک دوسرے کے نظریے اور عقیدے کا احترام کرنا چاہئے، باہمی تکفیر اور مذہبی شدت پسندی کو ختم کر کے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کی سعی پیہم کی جانی چاہئے۔ مذہبی منافرت پر مبنی لٹریچر کی اشاعت بند کی جائے۔ ہر فرقہ جو دین کے اساسی عقائد پر ایمان رکھتا ہو اس کو اسلام کے دائرے کے اندر شمار کرنا چاہئے اور جزوی یا فقہی اختلاف کو یا تو نظر انداز کر دینا چاہئے یا دوسرے کے نظرے کے لئے برداشت، تحمل اور بردباری کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے۔ اسی طرح ہر فرقہ دوسرے فرقے کی محترم شخصیات کے احترام کی ضمانت دے۔ باہم اتفاق سے ایک ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے۔ جسے قانونی اور آئینی حیثیت حاصل ہو، تاکہ تشدد اور منافرت ختم ہوسکے۔فروعی اختلافات کو غیر معمولی اہمیت دینا اور اختلافی مسائل کو بلاضرورت اچھال کر مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانا ایک ایسی منفی

روش ہے۔ جو مسلم معاشرے اور دینی ماحول کیلئے سم قاتل ہے۔

یہ زوال آمادہ اور انحطاط پذیر اقوام کا خاصہ رہا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے قومیں تباہ ہوئیں۔ مسلمانوں کے دو بڑے فرقے شیعہ اور سنی اسلام کی اساس پر ایمان رکھتے ہیں اور بنیادی تعلیمات کے قائل ہیں۔ ان کا مأ خذ ایک ہے قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ ایک ہے۔ اگر مقتدر سنی علماء کرام اور شیعوں کی مرجع التقلید ہستیاں مسلمانوں کو اتحاد باہمی اور بھائی چارے کا درس دیں اور ایسے عملی اقدام کریں جن سے وہ ایک دوسرے کے قریب آسکیں تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ امریکہ عراق میں شیعہ سنی اختلافات کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا ہے۔ اور اسی بنیاد پر ملک کی تقسیم کے درپے ہے۔

تہذیبوں کا تصادم:

۱۹۹۲ء میں سویت یونین کے سقوط کے بعد مغرب کے پالیسی سازوں نے اپنی ترجیحات کو از سر متعین کیا۔ انہوں نے کمیونزم کے خاتمے کے بعد اسلام کو مغرب کیلئے بڑا خطرہ قرار دیا۔ اسلام پر مختلف زاویوں سے سوچ بچار کی گئی اور مسلم معاشروں اور اسلامی تہذیبوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ اسی سال امریکی محقق سموئل ہنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا۔ اور اسلامی تہذیب کو مغرب کی متوقع دشمن قرار دیا۔

۱۱ستمبر کے واقعے کے بعد اسی نظرے کی بنیاد پر امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملہ کر دیا جو ابھی تک جاری ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ امریکہ اور یورپ میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈا مہم جاری کی۔ یہ سلسلہ مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ جبکہ مسلم امہ عملی جمود، سیاسی محکومی اور معاشی پسماندگی میں مبتلا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے مغرب کو ہر سطح پر برتری عطا کر دی ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی پالیسوں کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اسلام کے فعال اور اعلی اصولوں کی موجودگی کے باوجود ان کا اسلامی معاشروں پر عملی اطلاق محدود اور مفقود نظر آتا ہے۔ اس لئے مسلم معاشروں میں ترقی، نمو پذیری اور اجنبی فلسفہ وفکر کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بہت کم ہے۔ مغرب کی تہذیب اور مذہبی یلغار نے مسلم سوسائیٹوں میں شکست دریخت اور توڑ پھوڑ کے جس عمل کا آغاز کر دیا ہے۔ اور

جدیدیت کا سیلاب انفارمیشن ٹیکنالوجی Information Technology اور عالمی میڈیا کے ذریعے جس تیزی سے داخل کیا گیا ہے اس کے آگے بند باندھنا مشکل نظر آتا ہے۔اسی کا مقابلہ کرنے کے طریقوں کے علاج کا ایک طریقہ بین المذاہب مکالمہ اور اقوام کے سنجیدہ طبقوں کے درمیان باہمی افہام وتفہیم کی فضا پیدا کرنا ہے۔مسلمان تہی دامن نہیں وہ سعی پیہم اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے ملت کو ہر آنے والے خطرے سے بچاسکتے ہیں بفضل ربی۔

بین المذاہب مکالمہ:

مغربی معاشرے تک رسائی اور ان کو ایک متبادل پیغام دینے کے لئے بڑی محنت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ مغرب میں جہاں مسلم معاشروں اور اسلامی عقائد کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے، اور وہ اسلام کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، وہاں وہ یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ اسلام میں وہ کیا وصف ہے کہ مسلمان اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔اور اس کی خاطر ہر طرح کی آزمائشیں اور ابتلاء برداشت کرنے پر تیار ہیں۔مغربی دانشوروں نے اسلام کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں۔جن کے متعلق وہ مسلمانوں کا نقطہ نظر جاننا چاہتے ہیں، امریکہ اور یورپ کے کئی ادارے، فکری ٹینک، یونیورسٹیاں، کلیائی مراکز اور جماعتیں بین المذاہبی مکالمے اور گفت وشنید پر آمادہ ہیں، اور مسلم دنیا کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اس میدان میں آئیں، حالانکہ ہماری طرف سے پہل ہونی چاہئے تھی۔اس دعوت کا ہماری طرف سے جواب نہ ہونے کے برابر ہے، ہمیں وقت ضائع کئے بغیر مکالمے کا آغاز کرنا چاہئے، اور ایک حکمت عملی تیار کر کے کام جاری کرنا چاہئے۔جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس سلسلے میں عمدہ خدمات انجام دے سکتا ہے۔اور ان کی رہنمائی کا فریضہ علمائے کرام انجام دے سکتے ہیں۔

اسلام کی دعوت اپنے اندر اتنی فعال قوت رکھتی ہے کہ مغرب کے لادینی افکار اور مادہ پرستانہ فلسفہ اس کی تاب نہیں لاسکتا۔مغربی تہذیب، درحقیقت معاشرتی بے چینی، جنسی بے راہ روری، شراب نوشی، فحاشی نشہ اور جرم کی وادیوں میں بھٹک رہی ہے وہ ذہنی آسودگی اور طمانیت کی تلاش میں

ہے۔ مغربی اقوام ہر اس نظریے اور عقیدہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں جو ان کے اضطراب اور تشویش کا مداوا مہیا کرے۔ عیسائیت ان کے مسائل اور دکھوں کا علاج مہیا نہیں کر سکی۔ خود مذہبی دانشوروں نے یورپ کے سب سے بڑے مذہب عیسائیت کے خلاف اتنا تنقیدی مواد شائع کیا ہے کہ وہ نیم جان ہوگئی ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی ذات گرامی کے متعلق طرح طرح کے نظریے اور فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔ مغرب کا دینی مزاج ان کی تہذیبی اقدار اور مروجہ عقائد سے برگشتگی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ان کے ساتھ مکالمہ شروع کر کے ان کو حق کی طرف مائل کیا جائے۔ سنجیدگی، متانت اور خوش خلقی سے ہم ان کے دلوں کو جیت سکتے ہیں۔ ان کو سمجھانے اور بتانے کیلئے نہایت عمدہ درجے کی سلیقہ بندی کی ضرورت ہے، وگرنہ ہمارا پیغام چاہے کتنا ہی اعلی وارفع اور مؤثر ہو وہ اس کو سننے پر ہی تیار نہ ہونگے۔

قرآن حکیم ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ کسی مذہب کے بانی کے خلاف کوئی نازیبا کلمات اختیار نہ کرو، ان مذاہب کے اکابر کا احترام سے نام لو۔ اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ خدا تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتی هی احسن﴾[1]

ترجمہ:

جب کبھی اہل کتاب (عیسائی و یہودی) سے بحث و مکالمہ اختیار کرو تو عمدہ طریقے سے کرو۔

قرآن کریم نے یہاں تک خبر دار کیا ہے کہ:

﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم﴾[2]۔

ترجمہ:

اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں بدزبانی سے یاد نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنیاد پر اللہ تعالی کو گالیاں دینے لگ جائیں۔

قرآن حکیم سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بین المذاہب مکالمے کے ذریعے جو باتیں غیر مسلموں کو بتائی جائینگی وہ ان پر ضرور غور کریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جو پیغام دیا جائے گا وہ ٹھوس حقائق اور مثبت اقدار پر مبنی ہوگا، وہ اتنا جاندار اور اثر انگیز ہوگا کہ سعید ارواح اس پر غور کرنے پر مجبور ہوں گی، اور خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے کیونکہ اس کے علاوہ حق ہے ہی نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون﴾ [۳]

ترجمہ:

اور ہم نے تمہاری طرف (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ جو چیز لوگوں کی طرف نازل کی گئی ہے تم ان کو ان کے سامنے کھول کر بیان کر دو اور توقع ہے کہ وہ غور کریں گے۔

اگر غیر مسلم حق قبول نہ بھی کرے اور شرک وکفر پر اصرار کرے پھر بھی مسلمانوں کو رواداری اور برداشت کی تعلیم دی گئی ہے، ہمیں مجبور کرنے، زبردستی اپنے نظریات ٹھونسنے یا سختی کرنے سے روکا گیا ہے۔ قرآن کریم کا حکم ہے:

﴿ولو شاء ربك لامن من فى الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين﴾[۴]۔

ترجمہ:

اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب ایمان لے آتے کیا تم لوگوں اس بات پر مجبور کرو گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

اسلام کے ہر مبلغ اور داعی کو خدا نے حکم دیا ہے کہ شائستگی سے دین کی طرف بلائے، اور احسن انداز سے گفتگو کرے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن﴾ ۵۔

ترجمہ:

یعنی حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعے (لوگوں) کو اللہ کی طرف بلایئے، اور ان سے اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

مکالمے کیلئے یہ شرط ہے انتہائی ضروری ہے نبی کریم ﷺ نے اس پر عمل کیا۔ اور لوگوں کے دل جیت لئے۔ قرآن حکیم کسی مخصوص جماعت فرقے یا قوم کے لئے نازل نہیں ہوا وہ تمام انسانوں کیلئے ہدایت ہے۔ نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اسی لحاظ سے اسلام کا پیغام ازلی وابدی ہونے کے ساتھ ساتھ علاقائی لسانی، جغرافیائی حدود سے ماورا ایک عالمگیر پیغام ہے۔ بین المذاہب مکالمہ کا دائرہ کار تمام جہاں پر محیط ہے، اور ہر ملت وقوم کے عقائد اور مذاہب کے مطابق ان سے گفتگو کی جاسکتی ہے، اور ان کو حق کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔

یہ اسلام کی ایک ایسی انفرادی صفت ہے کہ جو اسے دنیا کے تمام مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا۔ وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعوی رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لئے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے۔ لیکن صحیفہ محمدی نے نہایت اختصار، لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروں کو یہ بتایا کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے، اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دی جائے" ۶۔

اسوۂ حسنہ

قرآن حکیم کی تعلیمات کے بعد ہمیں رسول اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ باہمی گفت وشنید اور مکالمے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہم عصر شہنشاہوں کو جو تبلیغی خطوط لکھے وہ اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ اسلام کے ابدی پیغام کو عہد رسالت میں دوسری اقوام تک پہنچایا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے عرب کی مشرکانہ تہذیب کے علمبردار سرداران قریش اوران کے وفود سے ملاقتیں اور مکالمے کیا۔ نجران کے عیسائیوں سے عیسائیت پر گفتگو کی۔ اور مدنی دور میں یہود سے میثاق مدینہ اسی بین المذاہب مکالمہ کی بنیاد پر تھا۔ باہمی افہام وتفہیم کو آسان بنانے کیلئے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوسری اقوام کی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (م ۴۴ھ) نے سریانی زبان سیکھ کر یہودی کی مراسلت کا سریانی میں جواب دیا ۷۔

زبان کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف اقوام کے رسوم ورواج کلچر، تہذیبی اقدار اور مذہبی نظریات سے بھی واقفیت حاصل کرتے تھے تاکہ بین المذاہب مکالمہ میں آسانی ہو، اوراسلامی تعلیمات کو مؤثر طور پر روشناس کرایا جا سکے۔

نبی کریم ﷺ نے مکالمہ اور قیام امن کی سب سے بڑی مثال صلح حدیبیہ کی صورت میں پیش کی، انہوں نے امن اور باہمی افہام وتفہیم کیلئے بظاہر صلح کی ایسی شرائط مان لیں جن سے مسلمان رنجیدہ خاطر ہوئے، لیکن صلح اور امن کی فضا میں جب مسلمان اور مشرکین قریش آزادانہ طور پر ملنے لگے تو وہ خود بخود اسلام کی طرف کھچے چلے آئے، اور دو سال ہی کے عرصے میں فتح مکہ (۸ھ) تک بہت سے مشرک مسلمان ہو گئے۔ امام زہریؒ (۱۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

"صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام میں اتنی بڑی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی لوگ جہاں بھی ملتے، جنگ ہو کر رہتی تھی لیکن جب صلح ہو گئی، جنگ موقوف ہو گئی، اور لوگ ایک دوسرے سے بے خوف ہو کر باہم ملنے جلنے لگے، تو کوئی عقل مند ایسا نہ تھا کہ جس سے اسلام سے متعلق گفتگو ہوتی اور اس نے قبول نہ کیا۔ لوگ جتنے ابتدا سے اب

تک مسلمان ہوئے تھے صرف ان دو برسوں میں اس سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہو گئے''[۸]۔

اگر اسلام کی دعوت حسن اسلوب، خلوص نیت اور پر عزم طریقے سے پھیلائی جائے تو اس کے مثبت نتائج بہت جلد ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿هو الذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولوكره المشركون﴾ [۹]۔

ترجمہ:

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو کیسا ہی نا گوار گزرے۔

عالمی مذاہب:

مکالمے کے آغاز کیلئے ہم عالمی مذاہب پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تعداد میں عیسائی جو مختلف فرقوں اور ذیلی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے دو بڑے فرقے رومن کیتھولک اور پرٹسٹنٹ ہیں، باقی ان کے زیر اثر گروہ ہیں۔ انہوں نے موجودہ زمانے میں ایک نئی کروٹ لی ہے۔ رومن پیشوا پوپ کے بعض بیانات ان کی سوچ کے غماز ہیں۔ امریکہ کی موجودہ قیادت کے پیچھے نیوکوم New Conservatioves کی تحریک اس بات کا ثبوت ہے کہ عیسائی اپنی حیثیت کو مؤثر اور برتر بنانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی فرقہ ایونجلسٹ Evangelist امریکی قومیت کا علمبردار بن کر ابھرا ہے۔ اور وہ امریکہ کی سیاسی برتری چاہتا ہے۔ یہ افغانستان اور عراق میں امریکی جنگ کے حامی ہیں۔ عام عیسائی سیکولر اور مادہ پرست رجحانات رکھتے ہیں، اور مذہب کو اپنی زندگی میں بہت کم جگہ دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں اسلام بڑا خطرہ ہے۔

یہودی تعداد میں مقابلتاً کم ہیں لیکن ان کا سیاسی اثر بہت زیادہ ہے۔ وہ غیر یہودی کو

یہودی بنانے کے قائل نہیں ۔ یہودی تبدیلی مذہب سے نہیں بنتا بلکہ پیدائشی ہوتا ہے۔ آج کے دور میں قدیم یہودیت کی جگہ صہیونیت نے لے لی ہے۔

ا۔ مشرکین میں ہم ہندومت، بدھ مت، اور جین مت کے پیروکاروں کو شامل کر سکتے ہیں جن کی ایک بڑی تعداد سے اور ان میں سیکولر رجحانات اور لادینی فلسفہ زیادہ مقبول ہے۔

۲۔ مشرق بعید کے مذاہب تاؤازم، شنٹوازم وغیرہ بھی لادینیت اور مادیت کے فسلفے کے پرچارک ہیں، ان رہبانیت، نفس کشی اور اذیت پسندی عام ہے۔ یہ اسلامی کو مغربی پروپیگنڈے کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

ان مذاہب کے افراد کو اسلام کی دعوت دینا اور مکالمہ کا آغاز کرنے کیلئے بڑی تیاری کی ضرورت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ داعی جب تک کسی مذہب کے اعتقادات، مخاطب کی زبان، ماحول، تہذیب اور فکری رجحانات سے کما حقہ واقف نہ ہو، اس کو پیغام نہیں پہنچا سکتا چاہے وہ کتنا ہی جامع، اثر انگیز، اور دلائل پر مبنی ہو۔ بین المذاہب مکالمہ شروع کرنے سے پہلے ان بنیادی باتوں کا لحاظ رکھنا اور اس کیلئے مکمل تیاری کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم مسیحیت کے ساتھ مکالمہ میں مشترک باتوں پر زور دیں۔ دین ابراہیمی کی مشترک روایات حضرت عیسی اور حضرت مریم کا احترام اور ہمارے مشترکہ سماجی و معاشرتی بندھن وغیرہ عیسائیت کے ساتھ مکالمے کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں شاہان عالم کے نام آپ ﷺ کے خطوط ہمارے لئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہرقل اور دیگر عیسائی حکمرانوں کے نام خطوط کے ذریعے جو آپ ﷺ کا ان سے مکالمہ ہوا ان میں اس آیت قرآن کریم کا مکرر بار استعمال ہوا:

﴿قل یا اهل الکتاب تعالو ا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله ولانشرك به شیئا ﴾۱۰۔

اسی طرح شاہان عالم کے نام خطوط لے جانے والے نبوی سفراء نے جس طرح اپنے مخاطبین سے مکالمہ کیا وہ اسلوب بھی ہمارے لئے بین المذاہب مکالمے کی بنیاد بن سکتا ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ (۶۳۰ھ) نے حضرت حاطب ابن ابی بلتعۃ (م ۳۰ھ) اور شاہ مصر کے درمیان ہونے والے مکالمے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جب شاہ مصر نے حضرت حاطب سے یہ کہا کہ اگر تمہارے صاحب، اللہ کے رسول ہیں تو پھر تمہارے نبی ۔ ﷺ ۔ نے اس وقت اپنی قوم کے خلاف بد دعا کیوں نہ کی جب ان کی قوم نے ان کوان کے اپنے شہر سے نکالا؟ تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسی ابن مریم کی نسبت تو تم خود کہتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول تھے، پھر جب ان کوان کی قوم نے سولی دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کو بد دعا کیوں نہ دی؟ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ مقوقس اس برجستہ جواب سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا ''احسنت انت حکیم جئت من عند حکیم'' [۱۱]

ترجمہ:

تم نے اچھا جواب دیا تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے ہو۔ امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

''مقوقس شاہ مصر حضرت حاطب کے اس اسلوب مکالمہ سے بہت متاثر ہوا، اور اس نے حضور ﷺ کی دعوت اسلام پر غور کرنے کا وعدہ کیا'' [۱۲]۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اور مقوقس کے درمیان ہونے والے اس مکالمے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آنحضور ﷺ نے دوسری اقوام کی طرف دعوت وتبلیغ کیلئے بھیجے جانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصی تربیت فرمائی۔ آپ ﷺ نے اس بات کا خصوصی اہتمام فرمایا کہ جو صحابی رضی اللہ عنہ جس قوم کی طرف دعوت لے کر جائے وہ اس کی زبان سے بھرپور

واقف ہو، اس کے کلچر اور رسوم و رواج سے آگاہ ہو۔ ان کے دین اور مذہب کا مطالعہ رکھتا ہو۔ اور اس قوم کے جغرافیہ کی مکمل واقفیت رکھتا ہو۔ اپنی معلومات کی بنا پر مخاطب پر علمی برتری رکھتا ہو۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اسلام اپنی دعوت و تبلیغ میں جبر و اکراہ کا قائل نہیں نہ ہی یہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ قرآن کریم میں اس طرح کے واضح احکامات موجود ہیں جن میں داعی کو جبر و تشدد کا راستہ اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے:

﴿لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی﴾[۱۳]

ترجمہ:

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت واضح ہو چکی ہے اور گمراہی چھٹ چکی ہے۔

اسلام چونکہ ایک تبلیغی مذہب ہے اس لئے اس کی فطرت سے یہ بات بعید ہے کہ کسی دوسرے کو جبر و تشدد کے ذریعے اسے قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ یہ بات ایک داعی کو اپنے مخاطب پر واضح کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اسلام کے بارے میں اہل مغرب نے جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام طاقت کے زور پر پھیلا ہے ہمیں اہل مغرب کو قائل کرنا ہوگا کہ الزام ہرگز درست نہیں۔ پہلی دو صدیوں میں اسلام کے اسپین، وسطی ایشیا اور برصغیر تک پھیلنے کی بڑی وجہ اسلامی تعلیمات کی کرشمہ سازی اور مسلم مبلغین کی مساعی جمیلہ اور ان کا لوگوں کے سامنے اپنا ذاتی کردار رہا ہے۔ دنیا میں کتنے علاقے ایسے ہیں جہاں اسلامی فوجوں کا کہیں بھی داخلہ نہیں ہوا لیکن اسلام وہاں بھی موجود ہے۔ انڈونیشیا اور ملائشیا پر کب اسلامی فوجیں حملہ آور ہوئی تھیں؟ لیکن کیا وہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں؟ اسلامی تاریخ کے کسی بھی دور میں اسلام کو دوسری اقوام پر ٹھونسنے کیلئے تلوار سے کبھی بھی مدد نہیں لی گئی۔ ہمیں دلائل کے ساتھ یہ بھی بتانا ہوگا کہ بہت سے عیسائی جن سے اسلام کے ابتدائی دور میں مکالمہ ہوا وہ بھی اہل اسلام کی طرح حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل نہیں تھے۔ اس لئے عقائد کی یکسانیت ابتدائی دور کی مسیحیوں کے قبول اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ بنی

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''نجاشی فرقہ طبیعت واحد کا (یعنی مانوفرائٹ) عیسائی تھا، اور ان دنوں اس فرقے اور یونان کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے۔ آخر الذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسی میں بوقت واحد دو طبیعتیں۔ یعنی انسانی اور خدائی۔ ابرہہ (یمنی) نجاشی کا نائب تھا۔ وہ حضرت عیسی کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا بلکہ صرف مسیح اللہ مانتا تھا۔ غالبا نجاشی کے بھی یہی عقائد ہونگے اور یہ مسلمانوں کے عقائد کے بہت مماثل ہیں'' [۱۴]۔

اس سلسلے میں جو بات محل نظر ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کے عام عیسائی اپنے سیاسی تفوق اور تمدنی برتری کے زعم میں ایسے مکالمات میں حصہ لینے سے بہت حد تک کتراتے ہیں۔ عام ذہن میں اسلام کے بارے میں اتنے غلط نظریات پائے جاتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر گفتگو اور مکالمات کو تضیع اوقات سمجھتا ہے اور مذہبی گفتگو کو سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ مکالمے اور باہمی افہام وتفہیم کیلئے ضروری ہے کہ دوسرا فریق بات یا دلیل سننے پر آمادہ ہو۔ چاہے وہ اسے تسلیم نہ بھی کرے۔ مذہب بیزاری کی صورت میں کس طرح مکالمہ شروع کیا جاسکتا ہے اور کیونکر مثبت نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم پر یقین رکھنے پر غیر مسلم پہلے ہی اپنی تہذیبی برتری کے قائل ہیں۔ ان کو حق کی طرف لانا ایک مشکل کام ہے اس کیلئے مغربی معاشرے میں پائے جانے والے مذہبی طبقات اور افراد کے رجحانات پر تحقیق ضروری ہے ان اعداد وشمار کی روشنی میں دعوت کا ایک مضبوط نظام تیار کر کے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے مثبت نتائج نکل سکتے ہیں۔ ضرورت اور حالات کے مطابق ہم اپنے رویے میں لچک پیدا کر سکتے ہیں۔

دعوہ اکیڈیمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی نے تقابل ادیان اور بین المذاہب مکالمے کے فروغ وترقی میں قابل قدر کام کیا ہے کیونکہ یہ اس کے بنیادی مطمح نظر کا تقاضا ہے۔ اس مکالمے کی ضرورت واہمیت کا اندازہ کر کے انہوں نے اس کے متعلق ہم علم کو آگاہ اور تیار کیا ہے۔ دعوہ اکیڈیمی اپنے تعلیمی مزاج اور لائحہ عمل کے اعتبار سے ایک آفاقی سوچ کی حامل اور ایک بین الاقوامی ادارہ ہے

اس لئے اس کے پیش نظر اس موضوع پر ایک مستقل کتب خانہ قائم کرنے کا واضح مقصد ہے۔ بین المذاہب مکالمے کی ترویج کے لئے خصوصی محاضرات اور لیکچرز کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اکیڈیمی کے علمی مجلّے ماہنامہ ''الدعوۃ'' اسلام آباد میں اس سلسلے میں مضامین اور مقالات لکھے جائیں گے جن میں اہل علم ٹھوس جامع اور قابل عمل تجاویز پیش کرینگے۔ انفارمیشن کے جدید ذرائع کی مدد سے ان کو عام کیا جائے گا۔ اور محققین اور دانشوروں کا ایسا طبقہ تیار کیا جائے گا جو امریکہ اور یورپ کے تعلیمی اداروں ، مذہبی تنظیموں ، ارباب علم ، مشرق وسطی اور ایشیا کی تہذیبوں اور مذہبیات کے شائقین کو دعوت اسلامی سے روشناس کرا سکے اور ان کو اسلام کے متعلق مثبت انداز فکر اختیار کرنے پر آمادہ کر سکے۔ اس کو ایک تحریک کی صورت میں روشناس کرانا ہوگا۔ اور یہ اس صورت میں کامیاب ہوگی جب مخلص ، بے لوث اور اسلام کا درد رکھنے والے افراد اس میں شامل ہوں اور ان کے دلوں میں قرون اولی کے مسلمانوں کا جذبہ اور تڑپ بھی ہو۔

حوالہ جات

۱۔ سورہ عنکبوت آیت ۴۶۔

۲۔ سورہ انعام آیت ۱۰۹۔

۳۔ سورہ نحل آیت ۴۴۔

۴۔ سورہ یونس آیت ۱۹۹۔

۵۔ سورہ نحل آیت ۲۵۔

۶۔ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی جلد ۴ ص ۹۱، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۷۔ المسند حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ امام احمد بن حنبل ح ۱۱۰۸: ۶/ ۲۳۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۱ء

۸۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام ۳/۳۵۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۵ء

۹۔ سورہ التوبہ آیت ۳۳۔

۱۰۔ سورہ آل عمران آیت ۶۴۔

۱۱۔ ابن الاثیر ابوالحسن علی محمد بن اثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ ۱/ ۳۶۲، داراحیاء التراث العربی بیروت۔

۱۲۔ زاد المعاد ۳/ ۶۹۱، ۶۹۲، ابن القیم الجوزیۃ، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ)۔

۱۳۔ سورہ البقرہ آیت ۲۵۶۔

۱۴۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ (م ۲۰۰۱ء) ص ۱۲۷، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۷ء۔